ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

محمد منشایاد کے افسانوں میں علامت نگاری: ایک تجزیاتی مطالعہ

Dr Munawar Amin
Assistant Professor
Institute of Southern Punjab, Multan
drmunawaramin143@gmail.com

Raza Akram
M.Phil Urdu
Institute of Southern Punjab, Multan
razaakramali@gmail.com

Mussrat Kareem Nadir
M.Phil Scholar
Institute of Southern Punjab, Multan
irshad1823@gmail.com

Nazia Ansari
Lecturer Urdu
Institute of Southern Punjab, Multan
farianoor709@gmail.com

Abstract:
Muhammad Mansha Yaad is a famous Urdu & Punjabi short story writer. He write Novel in Urdu and Punjabi also. He is a famous T.V drama writer. He is an introvert in his short stories. His short stories comprises multi- dimensional meanings. To attain this purpose, he writes in Symbolic style also. This article attempts to analyze his short stories in the perspective of symbolism. Sometimes he used concrete symbols and sometimes abstract way of writing. His Symbols are neither so easy, nor so difficult to understand. He chooses them from real life, society, folklore, literary traditions and Punjabi culture. He used these symbols to express his inner feelings, self-actualization and psychological issues in our society. These symbols are very from each other and demands deep intention to understand them.

Keyword:
Symbolism, Muhammad Minsha Yaad, Short Stories, Analysis, Folklore, Punjabi Culture.

محمد منشا یاد کا نام اردو افسانہ نگاری میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام کا حامل ہے۔ان کے دس افسانوی مجموعے شائع ہوئے جن میں "بند مٹھی میں جگنو"(1975) ، "ماس اور مٹی"(1980)، "خلا اندر خلا"(1983)، "وقت سمندر"(1986)، "درخت آدمی" (1990)، "دور کی آواز"(1994)، "تماشا"(1998)، "خواب سرائے"(2005)اور "اک کنکر ٹھہرے پانی میں"(2010)شامل ہیں۔اس کے علاوہ انھوں نے ایک افسانوی مجموعہ پنجابی زبان میں "وگدا پانی"(1987)، "ٹاواں ٹاواں تارا"(1997)کے نام سے پنجابی ناول بھی شائع کیا۔پنجابی ناول "ٹاواں ٹاواں تارا"سے ماخوذ اردو ڈراما سیریل "راہیں "اور بعد میں "راہیں "کے ہی عنوان سے اردو ناول (2012) میں شائع کیا اور خود نوشت سوانح عمری "بزم جہاں افسانہ "(2021)کے عنوان سے ان کی وفات کے دس سال بعد شائع ہوئی۔انھوں نے 1959 سے باقاعدہ طور پر لکھنا شروع کیا اور اپنی وفات (2011)تک کے عرصے میں تقریباً ڈھائی سو کے قریب افسانے لکھے اور ان میں سے سینکڑوں افسانوں کے دوسری زبانوں (عربی، فارسی،

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

انگریزی، ہندی، کناڈا، ترکی، بنگالی، گجراتی) میں تراجم بھی کیے گئے۔اس کے علاوہ افسانوی مجموعوں، ناول اور ڈراموں پر ملنے والے اعزازات کی فہرست خاصی طویل ہے۔

ساٹھ کی دہائی کے بعد اردو افسانے پر ایک وقت ایسا بھی آیا جب افسانہ خود اپنی ہی تکرار بن گیا تھا۔افسانے میں متنوع موضوعات اور متحرک اسلوب کا فقدان پیدا ہو گیا افسانے کا قاری افسانے کی اس بحرانی کیفیت کو بھانپ کر افسانے کے مطالعے سے کنارہ کشی اختیار کرنے ہی والا تھا کہ جدید حسیت کا حامل کہانی کار خم ٹھونک کر کہانی کے میدان میں اتر آیا اور افسانے کے مواد اور ہیئت کے حوالے سے وہ فنی توازن قائم کیا کہ کہانی سننے اور سنانے والا او نگھنے کی بجائے ہنکارا بھرنے لگا۔منشا یاد نے افسانے کے علاوہ ادب کی کئی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے اور ہر صنف میں اپنے منفرد نقوش چھوڑے ہیں تاہم ان کی مقدم شناخت ان کی افسانہ نگاری ہے

ساٹھ کی دہائی میں جدیدیت کی لہر کا اردو افسانے میں در آنا کوئی عام واقعہ نہیں تھا۔اس کا ایک مکمل پس منظر ہے ترقی پسند تحریک کا کھردراپن، تہذیبی اور معاشرتی اقدار کا بکھراؤ، صنعتوں کا احیاء، جدید اور قدیم کی آویزش، عالمی سطح پر وقوع پذیر ہونے والی ادبی تحریکوں، علوم اور نظریات کا پھیلاؤ بھی ایک سبب ہے جو اس نئے حقائق نے انسانی ذات پر جو دباؤ ڈالا اس کے اظہار کے لیے حقیقت نگاری کی تحریک کو اپنا دامن تنگ نظر آیا۔اس لیے نئی لسانی تشکیلات کے دعویدار اپنی زبان کی ضرورت محسوس کرنے لگے تھے۔جو اندرون ذات اور بیرون ذات کے خلجان کو بیان کر سکتی ہو۔ان تمام مسائل کے ساتھ ساتھ 1958 کا مارشل لاء بھی اس تمام صورتحال کو مزید گمبھیر بناتا ہے۔سو ان تمام صورتحال کے اظہار کے لیے اردو افسانے کی روایت میں رائج عام وسیلے ناکافی ثابت ہونے لگتے ہیں۔

اس لئے ادب میں علامت کو در آنے کا موقع مل جاتا ہے اور جوں جوں صورتحال گمبھیر ہونے لگتی ہے ویسے ویسے علامت کا دائرہ وسیع ہونے لگتا ہے۔علامت ادیب اور شاعر کے لئے اظہار کا ایک قرینہ اور قاری کے لئے ادراک کا ایک وسیلہ ہے اگرچہ ادب کے بھی کوئی حتمی یا کھرے معنی تاحال متعین نہیں ہو سکے تاہم دنیا بھر کے ادب میں اس کے وضعی اور غیر وضعی معانی میں فرق رہا ہے اور یہ فرق اب بھی ہے لیکن اس اصطلاح کے ذہن میں آتے ہی جو معنی سب سے پہلے سمجھ میں آتے ہیں وہ ہمارے ہاں علامت Symbol اور علامتیت Symbolism کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جہاں تک اردو افسانے کی بات ہے تو افسانے میں علامت اور علامت نگاری کا لفظ عمومی معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی ہر وہ کہانی جو غیر روایتی انداز میں بیان کی گئی ہوتی ہے اسے علامتی افسانہ قرار دے دیا جاتا ہے جبکہ نئے افسانے کا علامتی نظام افسانہ نگاروں کو علامتی اسلوب بنانے میں بھی مدد دیتا ہے۔مولوی نور الحسن کی نور الغات میں علامت کے معنی اس طرح آئے ہیں:

"1۔نشان 2۔آثار 3۔پہچان کے ہیں"(1)

پروفیسر انور جمال اپنی کتاب "ادبی اصطلاحات" میں علامت کے بارے اس طرح رائے دے رہے ہیں:

"علامت جملہ فنون کی اصطلاح ہے۔کوئی لفظ لغوی معنوں کی بجائے کسی اور معنی میں استعمال کرنا علامتیت کہلاتا ہے۔لغات میں ہر لفظ کے ایک مخصوص معنی ہوتے ہیں یعنی ہر لفظ کسی خاص معنی کے لئے وضع ہوا ہے اگر ہم لفظ کو اس کے مخصوص معنی کے بجائے اس سے کوئی دوسرا معانی مراد لیں تو یہ "علامت" ہو جائے گی گویا لفظ دو صورتوں میں استعمال ہو سکتا ہے،ایک حقیقی معانی کے ساتھ دوسرا غیر حقیقی (مجازی) معنوں کے ساتھ لفظ کا مجازی استعمال علامت ہے"(2)

علامت دراصل کسی ان دیکھی شے کی مماثلت یامشابہت جس کے پیچھے احساسات اور فکر کے اشاروں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہوتا ہے۔علامت جتنی تہہ دار اور کثیر المعانی ہوگی اتنی ہی وقعت کی حامل ہوگی غرض علامتی افسانہ ایک عمومی اصطلاح ہے جس میں علامت کے علاوہ تجرید،استعارہ، تمثیل اور تشبیہ سبھی شامل ہیں۔

منشایاد کا نام اردو افسانے کی روایت میں انفرادیت کا حامل اس وجہ سے ہے کہ ساٹھ کی دہائی میں اردو افسانے پر علامت اور تجرید کے سائے نے افسانے سے کہانی کو غائب کر دیا توافسانہ اوسط سطح کی ذہنیت رکھنے والے قاری کی دلچسپی کا مرکز نہ رہا،اور اس طرح افسانہ پڑھنے والوں کی ایک بڑی تعداد اردو افسانے سے بیزاری کا اظہار کرنے لگی،اور اردو افسانے کے قارئین کی وسیع تعداد اردو افسانے کے اس نئے انداز سے منحرف نظر آنے لگی۔اردو افسانے کے اس مشکل دور میں منشایاد ہی وہ واحد افسانہ نگار تھا جس نے افسانے کے قارئین کو دوبارہ افسانے کی قرات پر آمادہ کیااور افسانے میں علامت نگاری اور تجرید کے ساتھ ساتھ کہانی پن کو واپس لانے میں اہم کردار ادا کیایوں اردو افسانے کا قاری جو افسانے سے کنارہ کشی اختیار کر چکا تھا دوبارہ افسانے کی طرف لوٹ آیا لیکن اہم بات یہ ہے کہ جہاں منشایاد نے افسانے میں کہانی کو واپس لانے میں اہم کردار ادا کیا وہاں انہوں نے افسانے سے علامت نگاری کو بالکل ختم نہیں کر دیا بلکہ انھوں نے کہانی کے ذریعے علامتوں کو قاری کے لیے سہل اور آسان بنا دیا یوں افسانے میں کہانی کے در آنے کی وجہ سے علامت نگاری بھی سہل ہو گئی۔ان کے سینکڑوں افسانے ایسے بھی ہیں جن میں کہانی پن کے ساتھ ساتھ علامت نگاری کے واضح نقوش محسوس کیے جا سکتے ہیں اور بعض افسانے تو ایسے ہیں جنہیں ہم مکمل طور پر علامتی افسانہ کہہ سکتے ہیں ایسے افسانوں میں "بوکا"، "تماشا"، "کنٹوپ"، "بانجھ ہوا میں سانس"، "رکی ہوئی آوازیں"، "اگلی صف کا آدمی"، "سانپ اور صدا"، "دور کی آواز"، "بلارا"، "پل صراط"، "کنواں چل رہا ہے"، "کہانی کی رات"، "چاہ در چاہ"، "بیل کہانی"، "جنگل کا قانون" اور "کتا کہانی" شامل ہیں ۔ محمد منشا یاد اپنے افسانوں کی مخصوص فضا بندی کے لئے علامتوں کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ان کی علامتوں میں تنوع ہے۔وہ اپنے ارد گرد پھیلی چیزوں اور واقعات کو دوسروں سے الگ طرح سے سوچتے اور دیکھتے ہیں اور اسی الگ انداز کی وجہ سے ان کی کہانی میں علامتی انداز در آتا ہے۔

علامتی حوالے سے "بوکا" کو اگر منشایاد کا نمائندہ افسانہ کہا جائے تو بے جانہ ہو گا۔۔اس افسانے میں ملکی صورتحال کو "بوکے" کی علامت سے واضح کرنے کی نہایت ہی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔جمہوریت اور آمریت کے کھیل کو بوکے کی علامت سے واضح کرنے اور بوکے کا بار بار کٹ جانااور کنارے تک سالم نہ پہنچ پانادراصل وطن عزیز پاکستان میں سالم جمہوریت کے قائم نہ ہو پانے کی داستان بیان کر رہا ہے۔

"پھوڑا" میں افسانہ نگار منشایاد اپنے فن کی جوت مختلف انداز میں جلاتے نظر آتے ہیں۔یہ نیم علامتی افسانہ شمار ہوتا ہے۔جس میں افسانہ نگار نے علامت کے ساتھ ساتھ تشبیہات اور استعارات کا بھی انتظام ملحوظ خاطر رکھا ہے۔اس طرح افسانے کا مرکزی کردار اپنی انفرادی زندگی کی الجھنوں کو قاری کے سامنے علامتوں کے ذریعے واضح کرتا نظر آتا ہے۔ "رات کو جب وہ کورس کی خشک کتابیں سمیٹے اور بتی بجھائے بغیر سونے لگتا تواس کے ذہن میں ایک درخت سا اگ آتا جس کی لمبی لمبی شاخیں زمین تک جھکی ہوئی ہوتیں اور چاروں طرف سے ان گنت چیونٹے ان شاخوں کی طرف دوڑنے لگتے۔"(3)

"خواہش کا اندھا کنواں" اس میں افسانہ نگار نے معاشرے میں شرافت کے فقدان اور نفسانفسی کی کیفیت کو بڑی خوبصورتی سے علامتی انداز میں بیان کیا ہے۔"خواہش کا اندھا کنواں" منشایاد کے ابتدائی افسانوں میں ایک ایسا افسانہ ہے جس میں افسانہ نگار کی نفی خود انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔یہ ایک بازاری کتے کی کہانی ہے۔بازاری اور پالتو کتے کا مکالمہ علامتی انداز میں ہمارے طبقاتی نظام زندگی کے فرق کو واضح کرتا ہے۔" تم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تم دیسی نسل کے ہو تمہارے ماں باپ بھی اسی ملک کی گلیوں میں آوارہ پھرتے تھے۔تمہاری صورت گنواروں جیسی ہے تمہارے جسم سے بدبو آتی ہے"۔(4)

مظفر علی سید لکھتے ہیں :

> "ایک بازاری کتے کی کہانی میں اس نے اتنی دردمندی بھرنے کی
> کوشش کر دی ہے کہ بے چارہ کتا بھی اس کا متحمل نہیں ہو سکتااور بالآخر

ایسوپ (Aesop) کے لالچی کتے کی طرح اسے بھی ایک ناصحانہ
انجام کاہدف بنناپڑتاہے"۔(5)

"دوپہر اور جگنو" منشایاد کا یہ افسانہ اس بات کی دلیل ہیں کہ منشایاد روایتی اسلوب میں لکھیں یاجدید تکنیک کا استعمال کریں،ان کا نقطہ نظر حقیقت پسندی کی عکاسی کرتا ہے۔"دوپہر اور جگنو" روایتی انداز کا افسانہ ہے۔اکہری سطح کا اور کھلا ہوا افسانہ ہے اور اس افسانے میں زندگی اتنی ہی نظر آتی ہے جتنی کے زمین کے اوپر ہے۔انفرادی الجھنوں،خوف اور حادثات کی کہانی جو علامتی انداز میں سقوط ڈھاکہ کے پس منظر میں پھیل کر پوری قوم کا المیہ بن گئی ہے۔اس افسانے میں طبقاتی تقسیمیت کے ساتھ تاریخیت بھی سر اٹھاتی ہے۔خندق ہے،دھماکہ ہے،دھواں،خون،لاشیں اور گھپ اندھیرا یہ افسانہ بہت سے سوال اٹھاتا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ عام آدمی جس کے بس میں کچھ نہیں،جو عامل نہیں معمول ہے۔جو دیکھتا ہے کہ اس کے سارے اعضاء الگ کر دیئے گئے ہیں۔اس کے دونوں بازو میز پر رکھے ہیں۔دل ٹرے میں پڑا دھڑک رہا ہے۔روح ایک بوتل میں پڑی کلبلا رہی ہے اور اس کی کھوپڑی سے درد کے نوکیلے پتھر اور موٹی موٹی گردنوں والے چیونٹے نکالے جارہے ہیں اور ان سے بچاؤ کا صرف ایک ہی راستہ کہ سانس نہ لیا جائے۔

افسانہ "سورج کی تلاش" میں پاکستان کا ماضی،حال اور مستقبل علامتی انداز میں سمٹ آیا ہے۔اس کہانی کو پڑھنے والا اس میں ایک نیا ذائقہ محسوس کرتا ہے۔جس نے منشایاد کے ہاں علامتی اور استعاراتی افسانے کے امکان کو مزید واضح کر دیا ہے۔مکمل علامتی نظام کے تحفظ کی حامل اس کہانی میں سورج روشنی،قوت اور سچائی کی علامت ہے۔افسانہ نگار نے غلامی سے آزادی تک کے سارے سفر کی روداد،اس کہانی کی صورت میں انتہائی اختصار اور جامع الفاظ میں بیان کر دی ہے کہ پڑھنے والا سوچ میں پڑ جاتا ہے کیا واقعی ہم سورج کی تلاش کر رہے ہیں؟ یا ہم اندھیرے سے سمجھوتہ کر چکے ہیں؟ "وہ سب روشن وادی میں پہنچ گئے لیکن بصارت سے محروم ہو کر ان کے لئے روشن وادی اور تاریک سرنگ میں کوئی فرق نہیں تھا۔وہ اپنے لٹے ہوئے سامان اپنی عورتوں اور واپس چلے جانے والے لوگوں کو یاد کر کے رونے اور وادی میں بھٹکنے لگے لیکن وہ پر امید تھے کہ اب ان کے ہاں جو بچے پیدا ہوں گے وہ شاید بصارت سے محروم نہ ہوں!"(6)

" سانپ اور خوشبو" میں موجود روایتی کہانی کو سانپ اور خوشبو کی علامتوں سے بیان کرنے کی کامیاب سعی کی گئی ہے۔اس علامتی کہانی میں بچہ ٹڑو کی ضمنی کہانی نے جذباتی تاثر پیدا کر دیا ہے۔"غلام علی کو ایک ایسی خوشبو کی تلاش ہے جس کا نام وہ نہیں جانتا۔صرف گامی اس خوشبو کو پہچان سکتا ہے،گامی اس لڑکے کا نام ہے جس کی وہ انگلی پکڑے رکھتا ہے،گامی کے اندر ایک پانچ چھ برس کا بھولا بھالا سہا ہوا بچہ ہے اس بچے کا نام بھی گامی ہے۔(7)اس افسانے میں سانپ سے انسان کے اندر کا ضمیر اور چھپی ہوئی منافقتیں مراد ہیں جو موقع پاتے ہی دوسروں کو ڈسنے سے گریز نہیں کرتیں اور خوشبو کو محبت اور چاہت کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔

"سوچ کے زخم" جو منشایاد نے آزاد تلازمہ خیال کی تکنیک میں لکھی ہے۔بہت معنی خیز ہے۔ایک انسان کے روحانی احساسات وجذبات اور انسان کے باطن میں پوشیدہ پیچیدہ باطنی مسائل کا ایک تلاطم برپا ہے جو انسان کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے اور زیادہ سوچنے والا انسان زیادہ زخمی ہوتا ہے۔مرکزی کردار کی منتشر خیالی اور ذہنی انتشار،معاشرتی ناہمواریوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

"بارھیں برسیں" میں محمد منشایاد نے ساٹھ کی دہائی کے نوجوان افسانہ نگاروں کی طرح تکنیکی اور اسلوبیاتی سطح پر بہت کامیاب تجربہ کیا ہے۔علامت،تجرید اور خیال یا شعور کی رو سے کام لیتے ہوئے اپنے جن افسانوں میں اس تکنیک کو برتا ہے ان میں ایک افسانہ "بارھیں برسیں" بھی ہے۔اس افسانے میں حال اور ماضی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

"میں چپکے سے آکر صوفے میں دھنس جاتا ہوں،وہ کہتی ہے مجھے سب
پتہ ہے تم نے باہر جا کر جو کچھ دیکھا اور جو کچھ سوچا ہے مجھے اس کا بھی علم
ہے۔اس لئے اب میں کچھ نہیں بولوں گی،ابھی تین برس باقی ہیں یہ
تین برس تمہیں تنہائی اور خاموشی سے اکیلے بیٹھ کر گزارنا ہوں گے"۔
(8)

"میں وہ اور وہ" علامتی طرز اظہار کی مظہر اس کہانی میں الفاظ کا استعمال خوب ہوا ہے اور اس کہانی میں عہد جدید کی جدید تکنیک جس طرح در آئی ہے۔ وہ کہانی کے گراف کو مسلسل اوپر اٹھاتی چلی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منشایاد کا یہ علامتی افسانہ ان کے روایتی اسلوب کی نسبت زیادہ طاقتور فکری علائق رکھتا ہے۔" زندگی کی بے معنویت میرے سامنے اپنے سارے کپڑے اتار دیتی ہے۔ مجھے اچانک یوں لگتا ہے جیسے میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور زندگی کے قلم سے سیاہی ختم ہو گئی اور اسے جھٹک جھٹک کر گھسیٹ رہا ہوں"۔(9)

ڈاکٹر فوزیہ اسلم لکھتی ہیں :

"میں وہ اور وہ" میں انہوں نے تجریدی اسلوب کو برتا ہے اور زندگی کی یکسانیت اور بے معنویت اجاگر کی ہے"۔ (10)

افسانہ "کوئی ہے" بھی علامتی اور تجریدی افسانہ شمار ہوتا ہے۔ اس افسانے میں بھی "سوچ کے زخم" والی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ یہ سوچ ٹو ڈائمنشنل کے بجائے (Two Dimensional) تھری ڈائمنشنل (Three Dimensional) ہے۔ کہانی میں کچھ کھل کر بیان نہیں ہوا۔ ماضی بعید یا قریب اور حال کے واقعات اس طرح آپس میں مکس ہیں کہ قاری کو خود اندازہ کرنا پڑتا ہے کہ کون سا واقعہ کس زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ افسانے کے آخری جملوں سے کہانی کچھ واضح ہوتی ہے۔

"حضور۔۔۔۔۔ اس نے زبردستی اسٹیج پر چڑھ کر الٹے سیدھے دو ایک شعر سنائے پھر دیکھتے ہی دیکھتے بھاگ کر کھڑکی سے کود گیا۔۔۔۔ یہی ہمارا مشترکہ بیان ہے"۔ (11)

علامت دراصل ادیب اور شاعر کے لئے اظہار کا ایک قرینہ اور قاری کیلئے ادراک کا ایک وسیلہ ہے۔ علامت ایک قدیم ترین ذریعہ اظہار ہے۔ علامت کے کئی رنگ ہیں جس سے کہانی کے ہر پہلو میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور کہانی کثیر الجہتی رخ اختیار کر لیتی ہے۔ منشایاد کی علامتی کہانیاں دوسرے علامتی افسانہ نگاروں سے انفرادیت کی حامل اس طرح ہیں کہ ان میں علامت کے ساتھ ساتھ کہانی پن بھی موجود ہوتا ہے۔

"بند مٹھی میں جگنو" جس میں کہانی پن بھی موجود ہے اور علامتوں کے ذریعے کردار کے جنسی ہیجان کا بھی پتا چلتا ہے۔ جدید تکنیک میں لکھا گیا یہ افسانہ معنی کی سطح پر مختلف جہات میں پھیلا ہوا ہے۔ اس میں استعمال کی گئی علامتوں کے ایکس ریز کے ذریعے وہ زندگی بھی نظر آتی ہے جو انسان کے اندر بستی ہے کیونکہ انسان جتنا باہر ہے اس سے زیادہ اندر بستا ہے۔ اس خوبصورت کہانی کا مرکزی کردار شہری زندگی کی یکسانیت، بڑھتی ہوئی منافقت، تعصب اور مکر و فریب سے تنگ ہے اور اس ماحول سے فرار چاہتی ہے۔ مگر کوئی تدبیر سجھائی نہیں دیتی بالآخر وہ شہر سے گاؤں چھٹیاں گزارنے آجاتی ہے۔

"جب پڑوس میں عورتوں کی لڑائی شروع ہوئی وہ گھر میں اکیلی تھی وہ شہر سے اپنے ساتھ کوئی کتاب یا رسالہ نہیں لائی تھی۔ وہ کتابوں اور رسالوں سے اکتا گئی تھی۔۔۔۔۔ اگر پڑوس میں عورتوں کی لڑائی شروع نہ ہو جاتی تو اسے خود کو بار بار ٹٹول کر دیکھنا پڑتا کہ وہ ہے یا نہیں ہے"۔(12)

محمد حمید شاہد لکھتے ہیں :

"منشایاد کے ہاں جنس کہیں محبت کے زیر اثر رہتی ہے اور کہیں عشق بن کر بھڑک اٹھتی ہے۔ تاہم ایسا بہت کم کم ہوتا ہے کہ وہ فقط لذت بن گئی ہو اور شاید یہی سبب ہے کہ وہ محض جنسی کجی کو موضوع نہیں بناتا۔ اسے سماجی اور تہذیبی مسئلہ کے طور پر کہانی کے وسط میں یوں نہاں کرتا ہے جیسے بدن کے وسط میں اسے قدرت نے رکھ دیا ہے۔"(13)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

منشایاد کے اس افسانوی مجموعے "بند مٹھی میں جگنو" روایتی افسانے کے ساتھ ساتھ علامتی اور استعاراتی افسانے کے امکانات کو مزید واضح کر دیا تھا۔ منشایاد نے جہاں اپنے افسانوں میں علامتی انداز اپنایا ہے وہ علامتیں بالکل سامنے کی اور واضح ہیں ہاں ایک آدھ کہانی ایسی ہو گی جہاں علامت پکڑائی نہیں دیتی۔

"پانی میں گھرا ہوا پانی" نادار مفلس، جنسی طور پر کمزور، ایک بانجھ آدمی کا قصہ ہے۔ جو چکنی مٹی کے گھگھو گھوڑے، بیل بندر بناتے بناتے ایک دن "باوا" بناتا ہے اور اُسے دھوپ میں سوکھنے کے لئے رکھ دیتا ہے۔ "س میں نے باوا بنایا ہے"، "باوا"؟ "ہاں باوا اور ایسا بنایا ہے کہ بس جان ڈالنے کی کسر رہ گئی ہے تم دیکھو گی تو حیران رہ جاؤ گی کہ دنیا میں تم سے زیادہ خوبصورت چیزیں بھی ہیں بنائی جاسکتی ہیں"۔ "اچھا چلو دکھاؤ۔ وہ اشتیاق سے بولی۔ وہ اُسے لے کر وہاں آیا۔۔۔۔ گھوڑے، بیل، بندر اور سب چیزیں جوں کی توں پڑی تھیں مگر آدمی وہاں نہیں تھا"۔(14)

نفسیاتی سطح پر یہ ایک پیچ دار کہانی ہے۔ "مٹی کے باوے" کو علامت بنا کر انسان کے گم ہو جانے کی روداد بیان ہوئی ہے۔ دیہی ماحول و معاشرت کی عکاسی خوبصورت انداز میں بیان ہوئی ہے۔ ڈتے کمہار کا اضطراب اور بے چینی حقیقی ہے۔ مگر وہ حقیقت حال معلوم ہو جانے کے بعد کوئی جارحانہ رویہ اختیار نہیں کرتا بلکہ پھٹی پھٹی نظروں سے بس دیکھتا رہ جاتا ہے اور اُوزار اُٹھا کر باہر نکل جاتا ہے۔

"بانجھ ہوا میں سانس" نیم علامتی افسانہ ہے اس کہانی میں منشایاد نے سنگین مسائل، جو اِس معاشرے کو درپیش ہیں، کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ماحولیاتی آلودگی آج کے دور کا سنگین ترین مسئلہ ہے۔ جہاں کھانے پینے اور استعمال کی ہر چیز میں ملاوٹ ہے وہاں اگر ہوا میں بھی زہریلی گیسوں کی ملاوٹ ہو گئی یا پھر ہوا سے خالص ترین مواد نکال لیا گیا تو کیا ہو گا؟

> "ان لوگوں کیلئے جو تابعدار ہیں اور وہ جو اس کا وعدہ کریں اور اس پر قائم
> رہیں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ تم اس طرح کر وداری والی شرط منظور
> کرلو۔۔۔۔۔۔ باقی سب ٹھیک ہو جائے گا"۔(15)

داری فتے کی جوان بیٹی ہے اور ملک اس پر بری نظر رکھتا ہے۔ فیتا داری والی شرط مان لیتا ہے اور اپنے خاندان والوں کے لیے گیس کے تین سلنڈر لے جاتا ہے۔ اس طرح مجبوری ایک غریب شخص کو بیٹی کی عصمت کا سودا کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

"اندھیرے سے اندھیرے تک" میں روایتی کہانی کے انداز اور علامتی پیرائے میں اس شہر کا قصہ بیان ہوا ہے جہان حالات بتدریج بدلتے چلے جاتے ہیں۔ افسانہ نگار نے اس افسانے میں علامتی اور استعاراتی انداز میں معاشرے میں موجودہ ناانصافی کو بیان کیا ہے ہر جائز و ناجائز ذرائع سے دولت اکھٹے کرنے والوں کا انجام آخر کار اندھیرا ہی ہوتا ہے۔ اور اندھیرے سے اندھیرے تک ایک بلیغ اشارہ ہے کہ بدی ہوتے ہوتے بد اور بدترین ہو گئی ہے۔ لیکن ختم نہیں ہوئی۔

"بچھڑے ہوئے ہاتھ" سقوط مشرقی پاکستان کے تناظر میں لکھا گیا ایک علامتی افسانہ ہے۔ منشایاد نے سقوط مشرقی پاکستان پر جو کہانیاں تحریر کی ہیں وہ ایک سچے وطن پرست کے جذبات کا اظہار ہیں۔ منشایاد نے پاکستان کو ایک جسم سے تشبیہ دی ہے۔ اور ایک جسم سے اس کا کوئی اعضاء الگ ہو جائے تو اس کمی کو وہ شدت سے محسوس کرتا ہے۔ ایسے ہی پاکستان کے لیے مشرقی پاکستان کی علیحدگی ایک ایسی ہی کمی ہے جو ہمیشہ شدت سے محسوس ہوتی رہے گی۔ "اپنے ہاتھوں پر اس کی بے شمار یادیں نقش تھیں۔ ہتھیلیوں پر اس کی قسمت کی لکیریں کھدی ہوئی تھیں اور چھنگلی میں اس نے منگنی کی انگوٹھی پہنی تھی۔ جس کے ننھے سے نگینے میں خوب صورت مناظر کی متحرک فلم چلتی رہتی تھی"۔(16)

"رکی ہوئی آوازیں" اپنے دور کے سیاسی جبر اور مارشل لاء کے خلاف احتجاج کی کہانی جو آزاد نظم کی ہیت میں لکھی گئی ہے۔ علامتی اور تجریدی اسلوب سے کہانی میں گہری معنویت در آئی ہے۔ کہانی ایسے شخص کی ہے جس کے باپ دادا نے ایک پختہ مکان بنایا اپنی اولاد کے لیے اور اولاد کی اولاد کے لیے مگر اس پر غاصبوں نے قبضہ کر لیا وہ اُس مکان کے ایک کونے میں پڑا رہتا ہے۔ اسے کھانے کو باسی کھانا دیا جاتا ہے۔ جہاں تک اس افسانے کے اسلوب کا تعلق ہے تو منشایاد نے جدید افسانوی اسلوب، جس میں عدم تکمیلیت، ابہام، اشاریت اور علامیت کا غلبہ ہے کو بروئے کار لایا ہے۔ منشایاد نے اس افسانے میں تجریدی کیفیات واحساسات اور پگھلتے جذبوں کو گرفت میں لانے کی کوشش کی ہے۔ متکلم کی ذہنی و نفسیاتی و نفسی حالت میں تیزی سے رونما ہونے والی تبدیلیوں کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اسلوب میں شعری عناصر کی موجودگی نے اسے نثری نظم کے قریب کر دیا ہے۔ الہامی کتابوں کے اُسلوب

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

میں لکھا ہوا اُس شخص کا افسانہ ہے جس کے دو منزلہ گھر کی چھت اور ملبہ اکھاڑ لیا گیا اور وہ آدھا رہ گیا۔ مگر وہ بے بس اور نحیف تھا اور احتجاج تک نہ کر سکتا تھا۔"(17)

افسانہ، "پناہ" میں مارشل لاء کے جبر اور سیاسی ابتری کے عذاب میں مبتلا شخص کی کہانی علامتی انداز میں بیان ہوئی ہے۔ حبس اور جبر کی فضا جو آمریت کی پیدا کردہ ہے، مارشل لاء جمہوریت کی تباہی اور فردِ واحد کی خود اختیاری ہے۔ افسانے سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"ہماری فصلوں کو نظر نہ آنے والے سؤر تباہ کر دیتے ہیں۔""ہماری
گایوں بھینسوں کے شکم چارے سے پر اور تھن دودھ سے خالی ہیں۔"
"ہماری مرغیاں پتھریلے انڈے سیتی سیتی ہلکان ہو گئی ہیں۔""ہمارے
سروں پر شکر دوپہر تن گئی ہے اور ڈھلنے کا نام نہیں لیتی""ہمارے
گھروں پر ہماری مرضی کے خلاف دکھوں نے بستر لگا لئے ہیں۔"
(18)

حیدر قریشی لکھتے ہیں :

" ء کا آخری افسانہ، پناہ، ء کی سیاست کی خونخواری اور
سفاکی سے پناہ مانگتا افسانہ ہے"۔(19)

"بوکا" واقعہ اور تخیل پر مشتمل اپنی نوعیت کی انوکھی کہانی اور علامتی افسانہ ہے۔ مرکزی کرداروں میں باپ اور بیٹے کا کردار موجود ہے۔ واقعہ وہ ہے جو دھند کی صورت پوری رات پر محیط ہو چکا ہے، ہر طرف گہرا ہولناک سناٹا۔ رات کا کوئی پابہ زنجیر لمحہ۔ عجیب خوف ناک رات ہے۔ جس کی بھی آنکھ تھوڑی دیر کیلئے لگتی ہے وہ ایک جیسا ڈراونا خواب دیکھ کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ آمریت کے کنویں اور جمہوریت کے بوکے کی ایک دلچسپ تمثیل۔ دور آمریت اور سیاسی جبر کی ایک یادگار کہانی۔

علامتی انداز کی اس انوکھی کہانی کا قاری منشا یاد سے خیالات کی ناترسیلی کی شکایت نہیں کرتا کیونکہ واضح طور پر اس کہانی میں دو قسم کے عناصر موجود ہیں ایک واقعاتی اور دوسرا تخیلاتی جبکہ ایک تیسری قسم بے گانگی بھی ہے۔ منشا یاد کے فکشن کے ہر کردار کی شناخت اس کی بے گانگی ہے۔ "بوکا "پورے وسیب اور طرز زندگی کی بے گانگی کو ظاہر کرتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کون اس وسیب کا بوکا بار بار کیچڑ میں پھینک دیتا ہے۔ اور مجموعی طور پر اس وسیب کے باطن میں یہ پتا چلانے کی خواہش دم توڑ چکی ہے کہ ایسا کرتا کون ہے۔

"تماشا" منشا یاد کا تمثیلی اور علامتی انداز میں لکھا ہوا شاہکار افسانہ کہلاتا ہے۔ یہ افسانہ معنوی طور پر کئی رُخا ہے اور اس کی ایک ایک پرت اور نزاکت کو نہ صرف محسوس کراتا ہے بلکہ ان کا تجزیہ بھی پیش کرتا ہے۔ پہلے افسانے "بوکا" کی طرح "تماشا" میں بھی تیسری دنیا کے سیاسی ڈرامے کو براہ راست موضوع بنایا گیا ہے۔ "بوکا" کے مرکزی کردار باپ بیٹا، "تماشا" میں مداری اور جمہورے کا روپ بھر لیتے ہیں تو ماحول کا وہی پرانا عدم تعاون شیطانی سنگ دلی بن کر سامنے آجاتا ہے۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اس افسانے پر تفصیل سے لکھتے ہوئے کہا ہے:

"بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کہانی پڑھ کر ہم دم بخود رہ جاتے ہیں یا سارا
خون ذہن میں ایک نقطے پر سمٹ آتا ہے۔۔۔۔۔۔ اچھی کہانی کے ساتھ
بہت کچھ جھیلنا پڑتا ہے۔ درد کے کئی ان دیکھے رشتے قائم ہو جاتے ہیں او
ر دبی دبی ٹیس رہ رہ کر اٹھتی ہے"۔(20)

افسانے کی روایتی، تمثیلی اور علامتی توجیہات پیش کرنے کے بعد فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا ہے کیونکہ "تماشا" اور ہمارے بیچ کچھ حائل نہیں۔ ہم تماشا کا حصہ بن چکے ہیں ہم میں کوئی چھوٹا ہے اور کوئی بڑا اور تماشائیوں میں کوئی بڑا شامل نہیں سب بچے ہیں جن کے بال سفید اور چہرے پر جھریاں ہیں۔ ان کی عمریں زیادہ ہو گئی ہیں مگر ذہن نابالغ رہ گئے ہیں۔

Vol.6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ڈاکٹر انوار احمد "تماشا" کو غیر معمولی افسانہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پاکستانی معاشرہ میں دین متین کے نام پر ڈالروں کی کشش کے عوض خون ریزی سے بڑھتی ہوئی رغبت اور گھٹتی معصومیت کے درد ناک منظر نامے کی فن کارانہ پیش بینی ہے، جہاں سینکڑوں مرتبہ مرنے کی ادا کاری کرنے والے بچے جمہورے کو بازی گر بچا نہیں سکتا۔ "(21)

عطاء الحق قاسمی لکھتے ہیں:

"ہمارے ملک میں گزشتہ پچاس برس سے جو نظام نافذ ہے اس کے نتیجے میں آج ہمارا معاشرہ بچوں کے اس غول جیسا ہے جو منشا کے افسانے "تماشا" میں مداری کے گرد جمع ہوتا ہے۔ پاکستان کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی تاریخ پر اس سے زیادہ دردناک اور دل ہلا دینے والا تبصرہ افسانے کی صورت میں شاید کسی نے بھی نہیں لکھا"۔(22)

"کنٹوپ" موضوع کے اعتبار سے ایک منفرد علامتی کہانی ہے۔ مصائب زدہ اور مفلوک الحال لوگ جو بیسویں صدی میں سانس لینے کے باوجود تاریک صدیوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں یا مجبور کر دیئے گئے ہیں۔ "نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تم جھوٹ کہتے ہو۔۔۔۔۔۔ تم نے اب تک پہن رکھا ہے۔ سب نے پہن رکھے ہیں۔ طرح طرح کے کنٹوپ۔ رجعت پرستی کے تعصب اور تنگ نظری کے، جہالت کے، فرقہ پرستی کے، خود غرضی کے، ان کو اتارنے کی اجازت نہیں۔ اس لیے کہ اجازت دینے والوں نے خود پہن رکھے ہیں"۔(23)

"دھوپ، دھوپ، دھوپ" افسانے میں علامتی انداز میں ایسے معاشرے کی تصویر کشی کی گئی ہے جو انصاف سے بے گانہ ہے۔ جو کمزوروں پر ظلم روا رکھتا ہے۔ اوپر درج اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ تم ظالموں کا ساتھ نہ دو، کیونکہ ظلم روا رکھنے والے سے زیادہ ظالم وہ شخص ہوتا ہے جو ظلم کو برداشت کرتا ہے۔ خاموش رہتا ہے اور اس کے خلاف آواز نہیں اٹھاتا۔ ایک صبح مرکزی کردار کو اپنے باپ کا سر دھڑ سے الگ پڑا ملتا ہے وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگتا ہے۔ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ جاتی ہے مگر کوئی اس کے گھر میں جھانک کر نہیں دیکھتا۔ پورا معاشرہ اس کے ذاتی سانحے سے بیگانہ ہے۔ اور بلا آخر وہ بھی اپنے اوپر بیگانگی کو طاری کر کے، باپ کی لاش کو بے گور و کفن گھر میں اکیلا چھوڑ کر کام پر روانہ ہو جاتا ہے۔

"راتب" کے عنوان سے دیہی پس منظر کی ایک اور خوبصورت علامتی کہانی، مرکزی کردار ایک نوجوان لڑکا جو حویلی والوں کی چاکری کرتے کرتے اپنے والدین کی شفقت اور محبت کو بھول جاتا ہے دراصل راتب کی غلامی اپنوں کے بارے میں شکوک پیدا کرتی اور سارا اعتماد چھین لیتی ہے۔ راتب کی غلامی کرنے والا فرد واحد ہو یا قومی اجتماع اپنی جڑوں کو بھول کر راتب ڈالنے والوں کے سامنے دُم ہلانے لگتا ہے۔

"مائی فٹ" چوہدری نور محمد کی چودھراہٹ کی کہانی ہے۔ پکی سڑک ترقی اور ٹیکنالوجی کی علامت ہے اس پر موٹر اور مشین چلتی ہے۔ جس کے کوئی جذبات نہیں ہوتے۔ یہ قدامت پسندی اور فیوڈلزم کے خاتمے کا اعلان ہے جہاں سے پکی سڑک شروع ہوئی نور محمد کی چودھراہٹ کا اثر ختم اور ایک نئی دنیا کا آغاز ہوا۔ یہاں سب برابر ہیں۔ مالک اور مزارعہ کا فرق مٹ گیا وہ سب سواریاں اور گاہک بن گئے۔ اس لیے اب چوہدری کے لیے دستار سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

"انجن کے بغیر گاڑی کا مسافر" یہ افسانہ حقیقتِ حال اور خواب کا خوبصورت امتزاج ہے۔ اپاہج بھیک مانگنے والے آدمی کی کہانی جو اسٹیشن پر کھڑی خالی اور ساکت بوگی میں نامعلوم منزل کی طرف سفر کر رہا ہے۔ علامتی انداز میں اس کہانی میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ پاکستان کے نظام معیشت و آئین کو ایسے ہی بغیر انجن کی گاڑی کی طرح گھسیٹا جا رہا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

"تھوہر کا کانٹا" شیطانی قوتوں کا انسان پر حاوی ہونا اور اسے راہ مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کرنا اس کہانی کا موضوع ہے نیک اور بد کی کشمکش کو کہانی کے روپ میں بیان کیا گیا ہے۔ جبر کے مسلسل عمل کی کہانی ہے۔اس کہانی میں پیرائیہ اظہار علامتی و تمثیلی ہے افسانہ نگار نے طویل علامتی انداز اختیار کر کے ماحول اور منظر نامے سے دوہری معنویت پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔

"خلا اندر خلا" علامتی انداز میں لکھی اس کہانی میں مرکزی کردار کو شیشے کی دیوار کے پار بیٹھے شخص کے اشاروں پر بولنا پڑتا ہے اور بلا آخر بولتے بولتے اسے اپنی ہی آواز سنائی دینا بند ہو جاتی ہے۔اور پھر جونہی وہ اس جادوئی دیوار سے باہر آتا ہے سب کچھ ویسا، پہلے جیسا ہو جاتا ہے۔

"شب چراغ" یہ افسانہ منافقت اور بے ضمیری کے پیچ در پیچ پھیلاؤ کا علامتی اظہار لیے ہوئے ہے۔اور حکمرانوں کی عیاری و ریاکاری اور مذہب و سیاست کے نام پر عوام سے کئے جانے والے فراڈ کی پول کھولی گئی ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> "منشا یاد کا یہ افسانہ شاہکار کا درجہ رکھتا ہے۔اس نے یہ افسانہ ملتان کی ایک شام افسانہ میں پڑھ کر بے پناہ داد سمیٹی تھی اور تب مجھے اس امر کا یقین ہوا تھا کہ کڑواہٹ ، تشنج اور لکنت سے رہائی پا کر ہی بڑی کہانی تخلیق ہوتی ہے ۔ایک ریا کار ماحول میں سچ اور خوبصورتی کے لیے جنگ لڑنے والے سرفروشوں میں منشا یاد بھی شامل ہے" (24)

"بیک مرر" دہری معنویت کی ایک اور تجسس سے بھرپور علامتی و تمثیلی کہانی جو بذاتِ خود حادثے کو حادثہ نہیں رہنے دیتی بلکہ پیش آنے والے حادثے کو افسانوی علت و معلول کے رشتے میں پرو دیتی ہے۔

"دام شنیدن" پنجابی افسانوی مجموعے "وگدا پانی" میں "ڈنگر بولی" کے عنوان سے شامل ہے یہ افسانہ اس مجموعے کا سب سے زیادہ قابل توجہ افسانہ ہے۔ڈاکٹر اعجاز راہی لکھتے ہیں :

> "منشا یاد نے اظہار میں اختصار و ایجاز کا ایک زبردست مظاہرہ ایک سطر میں کر دیا۔ "ان کے منہ میں بھیڑیے کے دانت ہوتے ہیں"۔ یہ ایک سطر انسانی معاشرے کی ظالمانہ طرز عمل کی ایک بھرپور علامت ہے جس نے انسانی معاشرے کو جبر و تشدد، اخلاقی گراوٹ اور انسان دشمنی کی بنیاد پر لا کھڑا کر دیا ہے"۔(25)

"غروب ہوتی صبح" محسوساتی سطح پر اپنی نوعیت کی ایک دلچسپ اور تجسس سے بھرپور علامتی کہانی، جس میں گھر کے تمام افراد ایک نوجوان کو اپنے اپنے مفادات کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ مگر خود نوجوان کے احساسات اور جذبات سے ناواقف رہتے ہیں۔افسانے کا اختتام چونکا دینے والا ہے۔ جو قاری کیلئے بصیرت کے کئی در وا کرتا ہے۔ سڑک ، ریلوے اسٹیشن اور سفر ایک علامت کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ اعداد و شمار کا حساب اسے گہری معنویت عطا کرتا ہے۔ صبر اور برداشت کرنا صرف عورت کیلئے مخصوص نہیں مرد بھی انہی اوصاف کے حامل ہیں تب ہی یہ معاشرہ خوش اسلوبی سے اپنا سفر رواں دواں رکھے ہوئے ہے۔

"رہائی" مکالمے کی تکنیک میں لکھی ہوئی ایسی علامتی کہانی ہے۔ جس میں ایک قریب الموت شخص کی بے ہوشی کے عالم میں ذہنی کیفیت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ جو زندگی سے چھٹکارہ چاہتا ہے اور زمین سے فرار ہو کر خلا کی وسعتوں میں منہدم ہو جانا چاہتا۔

"اوپر جانے والا" ایک نیم تجریدی علامتی افسانہ ہے۔ بیسا کھیوں کے سہارے آگے بڑھنے کی بھیڑ چال، روایت اور پھر اس کا یہ دردناک انجام کہ جس کے کندھوں پر چڑھ کر کوئی اونچا ہوا اسی کی موت کے سامان کئے۔ "آہ ہم اسے اٹھائے اٹھائے پھرے۔اسے اپنے حصے کا پانی پلاتے اور اپنی رہی سہی توانائی خرچ کرتے رہے۔اسے کندھوں پر سوار کر کے اوپر پہنچایا اور اب وہ ہمیں سسک سسک کر مرتے دیکھ رہا ہے"۔(26)

Vol.6 No.4 2023

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

"پولی تھین "میں افسانے کا موضوع تہذیبوں کی آویزش ہے۔ کالو قدیم تہذیب کا نمائندہ ہے جبکہ پولی تھین نئ تہذیب کا علامتی مظہر ہے ۔افسانہ نگار کی دور رس نگاہ نے یہ دیکھ لیا ہے کہ تہذیبوں کو "زندہ" اور "مردہ" میں تقسیم کرنے کا یہ مشغلہ تضیع اوقات کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیونکہ وہ تہذیب آج جس کے آثار زیر زمین ملے ہیں یا مل رہے ہیں ہزارہا سال بالائے زمین بھی موجود رہی ہے۔ یہ خوبصورت کہانی جو بیانیہ سے شروع ہوتی ہے اور پھر مکالماتی انداز اختیار کرلیتی ہے "کالو" کی موت کی خبر پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔ کہانی کا انجام قاری کو لرزا دیتا ہے۔

"ر پلیکا" مطبوعہ نقوش میں اس کا پہلا عنوان "تاج محل کی سیر" تھا ۔افسانے میں "تاج محل" کی مرکزی علامت تین حوالوں سے سامنے آئی ہے۔ ایک مرکزی کردار شاعر کی شاعری میں ظہور پذیر ہونے والہ، دوسرا اگرہ میں ایک بادشاہ کے یا جبروت المیے کی تجسیم کی صورت میں بر سر زمین موجود ہے جبکہ تیسرا سنگ مرمر کا وہ ماڈل جو سالگرہ کا تحفہ کے طور پر دینے کے لئے خریدا گیا اور دینے سے پہلے ٹوٹ گیا مگر مشکل یہ ہے کہ تینوں میں سے ر پلیکا کون سا ہے، تینوں ہی ایک دوسرے کے لئے ر پلیکا ہیں۔

"سلاٹر ہاؤس" ظلم، بربریت اور دہشت گردی کے خلاف منشا یاد کا یہ ایک عمدہ افسانہ ہے۔ منشا یاد نے علامتی انداز میں اس دنیا کو سلاٹر ہاؤس کہا ہے۔ دنیا میں ظلم وستم اور قتل وغارت گری کے بڑھتے ہوئے مظاہر سے پریشان ہو کر ان کے افسانوں کے کردار جھنجھلا اٹھتے ہیں۔ مظفر علی سید کے نزدیک سلاٹر ہاؤس ایک افسانے سے زیادہ احتجاج ہے۔

"ایک تھی فاختہ "ایک خوبصورت اور علامتی کہانی، جو علامتی ہوتے ہوئے بھی علامتی نہیں لگتی۔ کہانی میں فاختہ امن اور توازن کی علامت ہے جبکہ کوّا دہشت گردی اور بدامنی کی علامت بن کر سامنے آیا ہے۔ ککو کو بہلانے کیلئے سنائی جانے والی یہ کہانی اپنی معصومیت اور فطری بہاؤ کے ساتھ آگے بڑھتی اور کئی پرتیں کھولتی چلی جاتی ہے۔

ڈاکٹر اقبال آفاقی لکھتے ہیں:

> "کہانی کا یہ انجام ہمارے شہر کی معاشرت پر دلفریب چوٹ ہے۔ ایک
> حیران کن طنز، جو سو فیصد حقیقت کا آئینہ دار ہے۔"(27)

"زائد المعیاد نیکی" میں آج کے محسن جس انداز میں اپنے احسان کا تاوان وصول کرتے ہیں اسے بہت عمدہ انداز میں کہانی کا موضوع بنایا گیا ہے۔ کہانی میں نمبر دار اور نقاد ایک علامت کے طور پر آتے ہیں ورنہ ہمارے معاشرے میں ایسے صاحب استطاعت لوگوں کی کمی نہیں جو اپنی نیکی اور احسان کا بیگار وصول کرتے نظر آتے ہیں اور اس طرح اپنے کئے احسان اور نیکی کو ضائع کر دیتے ہیں۔

"کٹھالی" ایک لوکل بس کنڈیکٹر کے سواریوں کے ساتھ برتاؤ کی کہانی کو علامتی انداز میں بیان کیا گیا ہے افسانہ نگار نے ایک معمولی بس کنڈیکٹر کے رویے کو موضوع بناتے ہوئے قارئین کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ آخر اس میں قصور کس کا ہے۔ کیونکہ ہر بچہ نیک اور معصوم پیدا ہوتا ہے۔ پھر معاشرہ، حالات اور ماحول اسے اچھا یا برا بناتے ہیں۔ جیسی تربیت معاشرہ کرتا ہے افراد اسی سانچے میں ڈھلتے ہیں۔ ان کے اچھا یا برا بننے کی ساری ذمہ داری معاشرے پر ہے

"جادو گر کیسے بنتے ہیں" علامتی اور تمثیلی انداز میں بیان کی گئی اس کہانی میں ماں اپنے بچوں کی فرمائش پر انہیں ایک چھوٹی پری کی کہانی سناتی ہے۔ علامتی پیرایہ اظہار اختیار کرتے ہوئے ماں بچوں کو پری کی کہانی کی صورت میں دراصل اپنی زندگی کی کہانی سُنا رہی تھی۔ "وہ اسے قید نہ کرتا تب بھی وہ کہیں نہ جاسکتی تھی کیونکہ جادو گر کے گھر میں اس کے بچے بھی رہتے تھے"۔

"شاخ اور جھولا" مختصر سے اس افسانے کو چار ابواب ، ب، ج اور د میں تقسیم کیا گیا ہے۔ علامتی انداز کی اس کہانی کا ابلاغ عام قاری کیلئے مشکل ہے۔ اس کے علاوہ ان چار ابواب کا آپس میں کوئی ربط بھی نہیں بنتا۔

"کنواں چل رہا ہے" جدید افسانے کے شانہ بشانہ رکھا جانے والا وجودی فکر کا حامل یہ علامتی افسانہ اپنی نوعیت کا ایک دلچسپ قصہ ہے افسانہ بظاہر ایک اجڑی بستی کی کہانی ہے اور یہ بستی اصل میں پاکستان ہے۔ جس کے باسی گزشتہ نصف صدی سے ان بستی والوں کی طرح گندا پانی پینے پر مجبور ہیں۔ ہر آنے والا حکمران اس کنویں کی صفائی کی قسمیں کھاتا ہے مگر صاف کرنے کے بجائے اسے پہلے سے زیادہ گندا کر کے چلتا بنتا ہے۔ یہ افسانہ مصنف کے

گہرے سیاسی و سماجی شعور کا بھی آئینہ دار ہے۔اندھا شاعر ہمارے دانشور طبقے کا نمائندہ ہے"کاغذی ہے پیراہن"افسانے کا عنوان ہی علامتی انداز میں بیان ہوا ہے۔افسانے کا موضوع جدید ٹیکنالوجی کا غلط استعمال کرنا ہے۔

"کہانی کی رات"سیاسی پس منظر لئے ہوئے یہ افسانہ اقتدار کی جنگ کی دلچسپ کہانی سناتا ہے۔داستانوی کہانی کے حوالے سے بیان کی جانے والی ہم عصر سیاست سے متعلق ایک پراثر کہانی، جس میں جادوگر، شہزادے اور بولنے والے طوطے کی علامتیں واضح اشارے ہیں۔جب بولنے والے طوطے کی اچانک گردن مروڑ دی گئی تھی اور شہزادے کو دیس بدر کر دیا گیا اور جادو سر چڑھ کر بولنے لگا۔ جمہوریت اور آمریت کا ٹکراؤ، جہاں جیت ہمیشہ طاقت کی رہی ہے سیاہ ہوتی ٹی وی سکرین کے پیچھے اقتدار کی ایک نئی کہانی جنم لے رہی تھی۔سچ سب کو معلوم تھا مگر بولنا سب کے لئے دشوار تھا۔

"تیاری"سبق آموز اس کہانی میں علامتی پیرایہ اظہار اختیار کیا گیا ہے۔استاد نفاست علی خان جب اپنے فن کے ساتھ مخلص رہے اور ثابت قدمی کے ساتھ ہر مصیبت اور بیماری کا مقابلہ کیا اور موسیقی کی دنیا میں اپنا نام پیدا کرنے کیلئے ریاضت کو اپنا شعار بنایا تو ایک دن شہرت اور ناموری ان کے دروازے پر دستک دینے آئی۔استاد نفاست علی خان نے خوش دلی سے اس کا استقبال کیا اور پوری دنیا میں اپنے فن کا مظاہرہ کر کے شہرت اور ناموری سمیٹی اور جب ریاضت چھوڑ دی تو ناموری جاتی رہی۔

"الہام"اس افسانے میں علامتی انداز میں جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے پرہیز کو ایک سادہ سی کہانی کے واقعے میں پرو دیا گیا ہے۔جہاں لوگ قدامت پرستی سے پیچھا نہ چھوڑا سکنے اور جدید کو اپنانے میں ہچکچاہٹ کا شکار ہیں۔ "رخصت ہوتے وقت راجا صاحب نے چوہدری رمضان کو اپنے قریب بلایا اور موبائل فون دکھاتے ہوئے بولے۔"یہ کشف یا الہام نہیں چوہدری۔اسے موبائل فون کہتے ہیں۔بہت جلد یہ کشف اور الہام عام ہو جائے گا۔زمانہ بدل گیا ہے چوہدری اب ہمیں بھی وقت کے ساتھ رویے تبدیل کر لینا اور بچوں کی پسند کا خیال رکھنا چاہیے"۔(28)

"آگے خاموشی ہے"علامتی انداز میں اس کہانی کے اندر یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ زلزلہ سے بچ جانے والوں کو انسانی رویوں کے زلزلوں نے مار ڈالا۔"کوک بھرے کھلونے"چودہ صفحات پر مشتمل اس کہانی کا موضوع علامتی انداز میں زندگی کو فانی قرار دیتا ہے۔گلاب کے پھول اور اس کی خوشبو کو موت کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔"مجھے لگتا ہے اب میں ایک کوک بھرا کھلونا ہوں، پتہ نہیں کب اور کہاں کوک ختم ہو جائے""آپ ہی نہیں، ہم سب مقدر کے ہاتھوں میں کھلونے ہیں کوک بھرے"(29)

"بیل کہانی"میں علامتی انداز میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ طاقت اور اختیار حاصل ہونے کے بعد اس کا استعمال عقلمندی سے کرنا آج تک کسی بااختیار اقتدار رکھنے والے کو نصیب نہیں ہوا۔اقتدار اور طاقت کا نشہ ایسا ہے جو دوسروں کے ساتھ ساتھ خود اس کو سب سے زیادہ نقصان پہنچاتا ہے۔علامتی انداز کی اس کہانی میں گاؤں کے سرکاری بیل اور شرفو تیلی کا قصہ بیان ہوا ہے۔

"غول بیابانی"غول بیابانی کی فضا پر سوات کے حسن کو چٹ کر جانے والی یہی مخلوق ہے جو ایف ایم نشریات پر اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہتی تھی مگر"جانوروں اور پرندوں میں بھی صرف خوبصورت، خوش الحان اور خوش رفتاروں کو ہی کھانا پسند کرتی۔کہا جاتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ ان کا سلوک اتنا ناگوار تھا کہ وہ ان کے ساتھ رہنے پر خودکشی کو ترجیح دیتیں، اس لیے کہ کچھ ہی عرصے میں عورتوں سمیت بستی ہر خوبصورت چیز سے خالی ہو گئی۔پھر زمانہ من قلب ہوا اور"جن درختوں پر فاختائیں بولتیں اور کوئلیں کوکتی تھیں وہاں اب کوّے کائیں کائیں کرتے اور چمگادڑیں جھولے جھولتی ہیں۔جن باغوں میں کبھی مور رقص کرتے تھے وہاں خارپشت ناچتے ہیں رقص و سرور کی جگہ اب اُلو بولتے ہیں بستی ویران ہو چکی ہے اور پوری وادی خرابے میں تبدیل ہو چکی ہے۔"(30)افسانے کی یہ سطریں پاکستان کی یاد دلاتی ہیں جو کبھی تھا اور اب ایک خرابے میں تبدیل ہو چکا ہے۔علامت اور خوف کی فضا پورے افسانے پر چھائی ہوئی ہے۔افسانے میں اس وادی کے اجڑنے اور پھر کبھی نہ بس سکنے کا ذکر ہوا ہے۔

"جنگل کا قانون"آزاد نظم کی ہیئت میں لکھا ہوا علامتی اور تمثیلی افسانہ ہے۔افسانے کا تھیم اس نقطہ پر مرکوز ہے کہ ہزاروں برس سے آج تک دنیا میں جنگل کا قانون رائج ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس، اس کا سب سے بڑا اصول ہے۔انسان غاروں سے نکل آیا ہے مگر وحشت اور درندگی سے آج تک نہیں نکل سکا۔وہ اپنے بنائے ہوئے اصولوں پر خود صدق دل سے عمل نہیں کرتا۔لوٹ مار کے نت نئے طریقے وضع کر لیتا ہے۔وہ کبھی بزور بازو تخت

پر قابض ہو جاتا ہے تو کبھی تخت الٹ دیتا ہے۔ پہلے زمانوں کی طرح وہ آج بھی حلال حرام اور جائز ناجائز میں فرق نہیں کرتا۔ وہ نہایت چالاک ہونے کے باوجود اپنے جیسے سے دھوکا کھا جاتا ہے اور پھر چیختا چلاتا رہ جاتا ہے مگر کوئی اس کی بات پر یقین نہیں کرتا۔

"ٹھہرا ہوا پانی" علامتی و تمثیلی انداز لئے اور آزاد نظم کی ہیئت میں لکھا یہ افسانہ بھی اپنے اندر دلچسپ حکایت لیے ہوئے ہے۔ ہم ان کے پرانے خیالات کا جدید چیزوں سے موازنہ کر رہے ہیں۔ وہ کچھ معجوب معجوب سے دکھائی دینے لگے، پھر بولے شاگرد اور مقتدی حج اور عمرہ کر کے آتے ہیں تو منع کرنے کے باوجود طرح طرح کے تحفے اٹھالاتے ہیں محبت کرنے والوں کا دل بھی تو نہیں توڑنا چاہیے۔"(31)

جس طرح جوہڑ یا تالاب کے پانی کو بہت عرصہ تک بدلا نہ جائے تو پانی کی سطح پر کائی جم جاتی ہے اور پانی سے بدبو آنے لگتی ہے۔ بالکل اسی طرح انسانی خیالات اور معلومات کی حالت ہوتی ہے اگر انہیں وقت کے بدلتے تقاضوں کے ساتھ بدلا یا تبدیل نہ کیا جائے۔ تو نتیجہ یہی نکلتا ہے جو افسانہ نگار نے نکالا ہے۔ افسانہ نگار نے اپنے کردار کے نہ بدلتے خیالات کے ذریعے سماج کے ایسے بہت سے افراد کی سوچ پر طنز کیا ہے جو اپنی ہٹ دھرمی کو نظریہ کہتے ہیں۔

"فاختہ تو پاگل تھی" علامتی انداز کی اس کہانی میں سادہ لوح، کمزور اور امن پسند فاختہ مکار کوے کی مکاری کا شکار ہو جاتی ہے۔ وہ انصاف کی خاطر ہر دروازہ کھٹکھٹاتی ہے مگر ظلم اور جبر کا راج ہوتا ہے وہاں کمزور فاختہ کو کہاں انصاف ملنا تھا۔

"فاختی تو پاگل تھی، موسموں کی سازش میں، پھر فریب کھا بیٹھی، توپ
کے دہانے میں، گھونسلہ بنا بیٹھی۔"(32)

افسانہ نگار محمد منشایاد نے علامتی انداز اختیار کرتے ہوئے پرندوں اور جنگلی جانوروں کو بطور علامت استعمال کرتے ہوئے اپنے ملک کے سیاسی و سماجی حالات پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انصاف کی متلاشی کمزور فاختہ گدھ گروہ کی مکاری کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ فاختہ کا المیہ ہماری معاشرے کے ہر کمزور کا المیہ ہے جہاں طاقتور غریب کا حق کھا جاتا ہے اور معاشرے میں کہیں اس کی شنوائی نہیں ہوتی۔ کرتا دھرتا لوگوں کے قوانین خود ان مفاد کی خاطر بنائے جاتے ہیں۔ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے مصداق۔

منشایاد کے محولہ بالا تمام افسانے جن کا علامت نگاری کے حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے۔ وہ تمام افسانے، افسانہ نگار کے نمائندہ اور معروف افسانے ہیں اگرچہ منشایاد کے اکثر افسانے کہانی پن کا شکار ہیں۔ علامت نگاری کو پیش کرتے ہوئے وہ اپنے ہم عصر علامتی افسانہ نگاروں کی طرح لکھنے اور ان علامتوں کو علامتی نظام میں پیش کرنے میں اتنے ہی کامیاب ہیں جتنا ان کے ہم عصر علامتی افسانہ نگار ہیں منشایاد کے افسانے (بوکا، تماشا، کہانی کی رات، بیل کہانی، جنگل کا قانون اور غول بیابانی) میں علامتیں واضح اور اجتماعی ملکی حالات کو پیش کرنے اور ملکی اقتدار کی کہانی کو واضح کرتے ہیں۔ ان کی یہ علامتیں ان کے گہرے قومی ادراک اور ایک درد مند محب الوطن ہونے کا ثبوت ہیں۔ واقعہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا ہو یا تعمیر وطن میں ہر محب وطن پاکستانی کی غیر ذمہ داری کا ان کا دل برابر کڑھتا ہے اور خون کے آنسو روتا ہوا ان کے قلم کی نوک سے ایسا افسانہ برآمد ہوتا ہے۔ جو ہر درد دل رکھنے والے کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے لیکن ان سب کے لئے منشایاد کے افسانوں کو توجہ، دھیان، شوق اور استغراق سے مطالعہ کرنا ضروری ہے صرف اسی صورت میں ایک قاری ان کے علامتی افسانوں کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھ سکتا ہے اور ان سے حظ اٹھا سکتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ مولوی نور الحسن نیر کاکوری، "نور اللغات" (جلد دوم) نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع سوم، 2006، ص:723

2۔ انور جمال، "ادبی اصطلاحات"، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 2012ء، ص:129، 130

3۔ محمد منشایاد، "بند مٹھی میں جگنو"، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 2010، ص:47

4۔ محمد منشایاد، "بند مٹھی میں جگنو"، ص:47

5۔ مظفر علی سید، "منشایاد---کاریگر افسانہ نگار"، دہلی ادب ساز، دہلی، 2008، ص:140

6۔ محمد منشایاد، "بند مٹھی میں جگنو"، ص:85

7۔ محمد منشایاد، "بند مٹھی میں جگنو"، ص:40
8۔ محمد منشایاد، "بند مٹھی میں جگنو"، ص:30،31
9۔ محمد منشایاد، "بند مٹھی میں جگنو"، ص:22
10۔ فوزیہ اسلم، "اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات"، پورب اکادمی، اسلام آباد، 2007، ص:120
11۔ محمد منشایاد، "بند مٹھی میں جگنو"، ص:59
12۔ محمد منشایاد، "بند مٹھی میں جگنو"، ص:138
13۔ محمد حمید شاہد، "منٹو، جنس اور منشایاد" سہ ماہی ادب ساز، دہلی، جلد نمبر 12، 2006ء ص:144
14۔ محمد منشایاد، "ماس اور مٹی"، مثال پبلیشرز فیصل آباد، 2012، ص:29
15۔ محمد منشایاد، "ماس اور مٹی"، ص:99
16۔ محمد منشایاد، "ماس اور مٹی"، ص:118
17۔ حیدر قریشی، "منشایاد کا شہر فسانہ"، سہ ماہی عکاس، /اسلام آباد، جلد نمبر 15، شمارہ نمبر 1،2،3، جنوری تا مارچ، 2008ء، ص:169
18۔ محمد منشایاد، "ماس اور مٹی"، ص:138
19۔ حیدر قریشی، "منشایاد کا شہر فسانہ"، ص:169
20۔ گوپی چند نارنگ، : فکشن شعریات"، سنگ میل پبلی کیشن، لاہور، 2009، ص:202
21۔ انوار احمد، "اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ" مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، پاکستان، 2007ء، ص:707
22۔ عطاالحق قاسمی، "اردو افسانے کے شہر کا دروازہ" سہ ماہی ادب ساز، دہلی، جلد نمبر 1، شمارہ نمبر 2، اکتوبر 2006ء، ص:161
23۔ منشایاد، "خلا اندر خلا"، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 2010ء، ص:55
24۔ ڈاکٹر انوار احمد، "اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ" ص:708
25۔ اعجاز راہی، "اردو افسانے میں اسلوب کا آہنگ" ریز پبلیکیشنز، راولپنڈی، 2003ء، ص:143
26۔ محمد منشایاد، "وقت سمندر"، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 2010ء، ص:139
27۔ اقبال آفاقی، "اردو افسانہ فن، ہنر اور متنی تجزیے"، فکشن ہاؤس، لاہور، 2010ء، ص:198
28۔ محمد منشایاد، "خواب سرائے"، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2005ء، ص:107
29۔ محمد منشایاد، "اک کنکر ٹھہرے پانی میں"، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2010ء، ص:22
30۔۔ محمد منشایاد، "اک کنکر ٹھہرے پانی میں"، ص:44
31۔۔ محمد منشایاد، "اک کنکر ٹھہرے پانی میں"، ص:168
32۔۔ محمد منشایاد، "اک کنکر ٹھہرے پانی میں"، ص:103